بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر محمد اقبال جاوید

مقالاتِ سیرت۔ایک تعارفی جائزہ

گیارہویں، بارہویں قومی سیرت کانفرنس

وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان۔اسلام آباد

گیارھویں سیرت کانفرنس ۱۲،۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ/ ۵،۶ اکتوبر ۱۹۸۷ء

اس کانفرنس کا مرکزی خیال تھا

اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَااسۡتَطَعۡتُ کی روشنی میں حضور ﷺ کا اصلاح معاشرہ

فہرست مضامین

رسول اکرم ﷺ کی حکمت اصلاح معاشرہ کا ایک گوشہ عفوودرگزر	ڈاکٹر انعام الحق کوثر	۱
اصلاح معاشرہ اور معیشت، سیرت طیبہ کی روشنی میں	ڈاکٹر عبدالرشید	۷
پیغمبر اسلام، اور اصلاح معاشرہ	خلیل احمد علیم	۱۷
حضور اکرم ﷺ نے معاشرے کی کیسے اصلاح فرمائی	خادم حسین شاہ نجم	۲۵
حضور ﷺ اور اصلاح معاشرہ	قاضی چمن پیر الہاشمی القادری	۳۵
اصلاح معاشرہ سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں	سید حسین علی ادیب	۴۷

(نعتیہ شاعری کے حوالے سے)		
اصلاح معاشرہ سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں	سید وجاہت رسول قادری	۶۵
(رزق حلال کے حوالے سے)		
اصلاح معاشرہ سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں	فضل القدیر ندوی	۸۱
(اصول واقدار کے حوالے سے)		
رسول اللہ ﷺ کی حکمت اصلاح معاشرہ	پروفیسر محمد عبدالجبار شیخ	۹۱
پیغمبر ﷺ اسلام اور اصلاح معاشرہ	سرور حسین ایوبی	۱۰۷
اصلاح معاشرہ سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں	پروفیسر ڈاکٹر امتیاز احمد	۱۱۰
اصلاح معاشرہ اور ابلاغ، حیاتِ طیبہ کی روشنی میں	ڈاکٹر محمد شمس الدین	۱۲۰
اصلاح معاشرہ کی فکری بنیادیں سیرت کی روشنی میں	حافظ احسان الحق	۱۴۱
اصلاح ادب معاشرت قرآن وحدیث کی روشنی میں	ڈاکٹر سعد اللہ قاضی	۱۵۱
اصلاح معاشرہ سیرت طیبہ کی روشنی میں	پروفیسر سید اذکیا ہاشمی	۱۶۳
سیرت نبوی کی روشنی میں اصلاح معاشرہ نظام عدل کے بغیر ممکن نہیں	سید اصغر علی	۱۷۳
حضور ﷺ اور اصلاح معاشرہ	پروفیسر احسان الدین	۱۸۰
اصلاح معاشرہ سیرت طیبہ کی روشنی میں	محمد مشرف علی خان	۱۹۰
حضور ﷺ اور اصلاح معاشرہ	ڈاکٹر حافظ عبدالغفور	۲۰۵
اسوہ نبی ﷺ اور اصلاحِ معاشرہ	پروفیسر سعید الرحمٰن	۲۱۲
اصلاح معاشرہ اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں	نور الدین جامی	۲۲۳
معاشرے کے بنانے اور سنوارنے میں محسن انسانیت کے تاریخ ساز فیصلے	علامہ سید ریاست علی قادری	۲۳۵
ذات اقدس ﷺ باعث اصلاح معاشرہ	انور احمد زئی	۲۵۵
اصلاح معاشرہ اور نظام سیاست سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں	سید رئیس احمد	۲۶۷
اصلاح معاشرہ اور نظامِ عدل سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں	پروفیسر اظہر علی صدیقی	۲۸۱
اصلاح معاشرہ سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں	ایم نوازش علی بیگ	۲۸۹

حضور اکرم ﷺ کی تحریک اصلاح معاشرہ عبدالرحمٰن گیلانی ۳۰۰
1. Reformation of the society by the Holly prophet (s a a w)
Fateh M. Sandeela
2. The reformation of the socity by prophet Mohammad (s a a w)
From Tribalism to the Formation of Ummah
Dr. Mohmammad shafiq

حرف آغاز

قرآن مجید کی یہ آیت: اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط (سورۂ ہود، آیت ۸۸) ''کہ جہاں تک میرے بس میں ہے اصلاح احوال کے لئے کوشش کرتا جاؤں''۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے متعلق ہے کہ ان کی قوم ظلم وعدوان کی عادی ہوکر ہلاکت کی جانب گامزن تھی، اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو معاشرتی خوشحالی عطا کر رکھی تھی، مگر وہ قوم کاروبار حیات میں بددیانتی کی عادی تھی، ناپ تول میں بے انصافی اس کا شعار تھا، اور حلال وحرام کے امتیاز سے اس کا شعور بے بہرہ تھا، یوں وہ کفران نعمت کی ان منزلوں تک پہنچ چکی تھی جو خود عذاب آسمانی کو آواز دیتی ہیں، کیونکہ وہ رحیم وکریم ذات اپنے ہی بنائے ہوئے شاہکار کو توڑنا پسند نہیں کرتی، یہ تو خود شاہکار، بدکار ہوکر اپنے مصور حقیقی کو بھول بیٹھتا ہے، اور یہ نسیان جب طغیان کو پہنچتا ہے تو عذاب کے اسباب خود بخود مرتب ہو جاتے ہیں، اسباب انسان خود فراہم کرتا ہے اور نتائج کا ظہور فطرت کی طرف سے ہوا کرتا ہے، لیکن اس ظہور سے قبل اللہ کا کرم اتمام حجت کے طور پر اپنے مرسلین کے ذریعے بگڑوں کو سنورنے کے مواقع ضرور عطا کرتا ہے، مگر جب انبیاء کی کاوشیں بھی کارگر نہیں ہوتیں، کفر کی شقاوت اور انکار کی نحوست بڑھتی ہی چلی جاتی ہے تو قدرت کا تعذیبی قانون حرکت میں آتا ہے، یہی فطری صورت حال حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو پیش آئی، جہاں تک ہوسکا انہوں نے قوم کی اصلاح کی کوشش کی اور ان کے کفر کو شکر کے آداب سکھانے کی سعی کی، جب ہر سعی ناکام ہوگئی تو وہ قوم صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دی گئی۔

آشیانے خاک ہو جائیں گے جل کر دفعتاً آسمانوں پر کڑکتی بجلیاں رہ جائیں گی
اطلس وکمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو وقت گر بدلا تو تن پر دھجیاں رہ جائیں گی

درج بالا آیت کی روشنی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح معاشرہ کا فرض کس حد تک

ادا کیا؟ یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ آپ ﷺ نے اصلاح احوال کے لئے جس انداز سے محنت کی اور آپ جس نوع سے ذہنی، روحانی اور جسمانی کلفتوں سے گزرے، اُسی کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ کو خود کہنا پڑا کہ ''دنیا میں کوئی نبی اتنا نہیں ستایا گیا جتنا میں ستایا گیا ہوں''۔ قرآن پاک نے بھی دو مقامات سورۃ الکھف، آیت ۱۸ اور سورۃ الشعراء، آیت ۳ پر اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ کفار کے ایمان لانے کی تمنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں شدید ترین تھی اور ان کے اعراض وگریز سے آپ ﷺ کے دل کی افسردگی بھی اپنی انتہا کو چھو رہی تھی، نتیجہ معلوم کہ خود اللہ تعالیٰ کو روکنا پڑا کہ کیا آپ ﷺ اپنے آپ کو ہلاک کردیں گے؟ بات اپنی اپنی استطاعت اور اپنے اپنے ظرف کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں گزشتہ انبیاء کی جملہ صلاحیتیں اور صالحیتیں مع شئے زائد اپنے منتہائے کمال کو پہنچ کر ہم آہنگ ہوگئی تھیں، تبشیر وتنذیر کے جو انداز، سعی وعمل کے جو اسلوب، تعلیم وتفہیم کے جو آہنگ، فکر ونظر کے جو رخ، قلب ونظر کے جو انوار، عدل واحسان کی جو اقدار اور گفتار وکردار کی جو عظمتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی تھیں ان کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ کے اصلاحی کارنامے، آپ کی تبلیغی کامرانیاں بھی جملہ انبیاء سے بڑھ کر ہوں، ان صلاحیتوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت وشفقت کا جو بے پایاں جذبہ عطا ہوا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک قلیل عرصے میں حد سے بگڑی ہوئی قوم نہ صرف سنور گئی بلکہ ایک دنیا کو سنوار گئی نتیجہ معلوم

ذوق نظر عطا ہوا ذرّات ریگ کو
موجِ عمل اٹھائی سرابِ جمود سے

گزشتہ اقوام کو متعلقہ انبیاء کی حکم عدولی پر سزائیں ملتی رہیں، ان کا نام ونشان مٹتا رہا، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خیر الامم قرار دے کر دنیا بھر کی رہنمائی کے لئے مخصوص کردیا گیا، اور یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے کہ آج یہ امت، اپنی تمام تر معاشرتی اور روحانی خرابیوں کے باوجود گزشتہ اقوام ایسی عبرت ناک تباہیوں اور ہلاکتوں سے بچی ہوئی ہے، اور یہ سب رب کریم کی عطائے بے حساب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مستجاب کا نتیجہ ہے کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے ورنہ بات کو بگاڑ کر اپنی شکلیں بگاڑنے کا جواز پیدا کرنے میں کون سی کسر باقی ہے؟ زوال وانحطاط کی جس سطح تک ہم آچکے ہیں، اس کے خطرناک نتائج سے بچنے اور خود کو عزوشرف تک لے جانے کی اب ایک ہی صورت ہے کہ ان نقوش پا کی روشنی میں منزلوں کو آواز دی جائے جنہوں نے عرب کی ریت کو بھی ریشم کا بخش دیا تھا اور اس اسوۂ حسنہ کو مشعل راہ بنایا جائے جو رشد وہدایت کا ابدی ذریعہ اور نجات وسعادت کا الوہی نسخہ ہے۔

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم پیغمبراں ہیں، اور قرآن پاک آخری صحیفۂ ہدایت، جبکہ ہر مسلمان اپنی اپنی استطاعت کے مطابق مبلغ بھی ہے مصلح بھی، ایک باپ گھر کی چار دیواری میں، ایک معلم دار العلوم میں، ایک مفکر شب کی تنہائیوں میں، ایک واعظ منبر ومحراب میں، ایک تاجر کوچہ و بازار میں اور ایک رہنما اپنے حلقۂ اقتدار میں، اپنی اپنی استطاعت کے مطابق مکلّف بھی ہے اور جوابدہ بھی، گویا مسلمان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عبادت ہے، اور عبادت کا مفہوم یہی ہے کہ انسان پہلے خود کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے سانچے میں ڈھالے اور پھر جہاں تک ہو سکے، اپنے گرد وپیش کی ظلمتوں کو اجالنے کی کوشش کرے، اسلام ایک نور ہے اور اسے ظلمت کدوں تک لے جانا ہمارا فرض ہے۔

ظلمتوں کو فروغ پانے دو
اور چمکے گی، منزل جاناں

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن پاک کا لفظ لفظ الوہی انوار کا حامل ہے، اور اس کے تحفظ کی ذمے داری اس ذات بلند و برتر نے لے رکھی ہے، جو زمین اور آسمانوں کا نور ہے، بنابریں یہ پیغام بھی محفوظ رہے گا اور اس کی تبلیغ کے ذرائع بھی تحفظ کے ہالے میں رہیں گے، اس لئے قرآن مجید کی حفاظت کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ بھی ہے کہ وہ لوگ اور وہ ادارے بھی اللہ تعالیٰ کے تحفظ میں ہیں جن سے تعلیم وتفہیم قرآن وابستہ ہے، اور قرآن تو

چشمۂ انوارِ حق نور الہدیٰ، ام الکتاب
جس کی ضو سے ہیں درخشاں آفتاب و ماہتاب

یہ ایک واضح صداقت ہے کہ ہر انسانی ضابطے میں کوئی نہ کوئی کمی اور کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی کجی باقی رہ جاتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ضابطۂ حیات، بندے کے لئے بہر نوع مکتفی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی مخلوق کی ہر ضرورت سے بخوبی آگاہ ہے، وہی کارساز ہے اور وہی قانون ساز، ہر شخص جانتا بھی ہے اور مانتا بھی کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور یہ بھی سبھی مانتے ہیں کہ خالق وہ ہوتا ہے جو بغیر مادے اور مواد کے تخلیق کرے، ان حقائق کی روشنی میں ایک منطقی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح تخلیق میں اپنا ثانی نہیں رکھتا، اسی طرح وہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی تخلیق کو کس نوع سے زندگی گزارنا ہے، وہی بہترین قانون ساز ہے،

اور اسی کا ضابطہ بہر اعتبار معتبر ہے اور اسی ضابطے پر عمل پیرا ہو کر انسانیت دنیاوی ارتقا اور اخروی سرخروئی سے بہرور ہو سکتی ہے، اور یہ بھی ایک صداقت ہے کہ ایک قانون ساز کو علم، قدرت اور رحمت کے اعتبار سے بھی کامل ہونا چاہیئے، انسانی علم ناقص ہے، انسان کی نظر صرف ظاہر کو دیکھ سکتی ہے اور گہرائیوں تک نہیں جا سکتی جبکہ اللہ تعالیٰ ظاہری کیفیات کے ساتھ ساتھ باطنی احساسات تک سے بھی بخوبی آشنا ہے، اسے ہر نوع کی قدرت بھی حاصل ہے اور اس کی رحمت بھی بے مثال ہے، وہ جملہ عالمین کے لئے سراپا لطف و کرم ہے، اور اسی کے ضابطے کے تحت زندگی آبرومندانہ انداز سے رواں دواں رہ سکتی ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی ضابطے کے داعی اور اسی پر انسانیت کو عمل پیرا کرنے کے لئے مامور تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس ضابطے کو عملی جامعہ پہنانے کے لئے فکر و عمل کی بہترین صلاحیتیں صرف کیں اور وہ کامیاب ترین مصلح قرار دیئے گئے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی روز و شب کو قرآنی ضابطے کے مطابق ڈھال رکھا تھا، ان کی گفتار اور کردار میں کوئی بعد نہ تھا، زبان، دل کی رفیق ہو تو بات میں تاثیر اور عمل میں تنویر آجایا کرتی ہے، ایک مصلح اور رہنما کے اندر پہلی خوبی یہی ہونی چاہیئے کہ وہ جو کہتا ہے وہی کرے اور جو کرتا ہے وہی کہے، منافقت، عمل کی دنیا کا سب سے بڑا روگ ہے اور اصلاح احوال کے لئے سب سے بڑی روک

دنیا نے اپنے آپ کو بدلا گھڑی گھڑی
اک اہل عشق تھے کہ جہاں تھے، وہیں رہے (مرتب)

چند اقتباسات

وحدت خداوندی کا حسین تصور پیش کرنے کے بعد تعلیمات پیغمبر قرآن کے حوالے سے وحدت نسل انسانی کے فلسفے کو بیان کرتے ہوئے ایک عالمگیر انسانی برادری کے قیام کی دعوت دیتی ہوئی نظر آتی ہیں چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا:

یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ اور قبیلے

بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، مگر درحقیقت تم میں سے معزز وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

گویا اقوام وقبائل کا اختلاف رنگ ونسل محض باہمی تعارف کے لئے ہے نہ کہ باہمی بغض و عداوت اور ایک دوسرے سے جھگڑنے کے لئے یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں رنگ ونسل اور حسب ونسب نیز جغرافیائی حد بندیوں کی بنیاد پر کسی کو افضل یا غیر افضل نہیں کہا جا سکتا، بلکہ خدا کے ہاں وہی نفوس قدسیہ بلند و بالا مقام کے حامل ہیں جو تقویٰ کی دولت سے بہرہ ور ہوں، یہی وجہ ہے کہ حبشہ سے آنے والے حضرت بلال، فارس کے علاقے سے نسبت رکھنے والے عجمی النسل حضرت سلمان فارسی اور روم کی فضاؤں کے پروردہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہم پیغمبر علیہ السلام سے حسب ونسب اور رنگ ونسل کی نسبت نہ رکھنے کے باوجود اور علاقائی لسانی نیز جغرافیائی تفاوت کے باوجود بارگاہ نبوت میں عزت و احترام کے جس عظیم مقام سے بہرہ ور ہوئے وہ معاشرتی زندگی کے لئے وجہ افتخار بن گیا، جبکہ اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاندانی اور خونی رشتہ رکھنے کے باوجود نیز ایک قبیلے، ایک قوم، ایک وطن اور ایک زبان ہونے کے باوجود، ابولہب اور ابوجہل بارگاہ نبوت سے ہمیشہ کے لئے مردود قرار پائے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس انداز میں معاشرتی زندگی کے طور اطوار اور انداز حیات کی اصلاح فرمائی اس کا تقاضا یہ تھا کہ انسانیت اور معاشرے کی تعمیر وتشکیل حسب ونسب اور جغرافیائی حدود ونفور سے بالاتر ہوتی جائے اور اس طرح امت مسلمہ امت واحدہ بن جائے۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جس کسی قوم نے بھی بتان رنگ و بو کی پرستش کو اپنا شعار بنا لیا اور جغرافیائی حد بندیوں کی تنگنائیوں میں اپنے آپ کو محصور کر لیا وہ ہمیشہ ترقی وکمال کی بجائے نکہت وادبار کا شکار ہو کر رہ گئی یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال پیغمبر اسلام کے اسی آفاقی نظریئے کے پیش نظر امت مسلمہ کو ترقی کی منازل طے کرنے کا نسخہ بتاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

غبار آلودہ رنگ و نسب ہیں بال و پر ترے
اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

عالمگیر انسانی برادری کی پیغمبرانہ دعوت اور بتان رنگ و بو کو ایک ہی پیغمبرانہ ضرب سے پاش پاش کرنے کے بعد قرآن نے اسلامی اور انسانی اخوت کی عالمگیر بنیاد رکھی، یہ وہ تعلیم پیمبر تھی جس نے انسانیت کی از سر نو شیرازہ بندی کر کے انسانیت کی منتشر صفوں میں اتحاد و اتفاق اور وحدت و الفت کے

روح پرور گلشن کھلا دیئے اور مدت کے بچھڑے ہوؤں کو آپس میں گلے ملا دیا۔(۱)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کی اجتماعی معاشی اصلاح کے لئے اسلامی ریاست کے معاشی وظائف کا بھی مثبت تصور عطا فرمایا، اور معاشرہ کے ان افراد کی ذمہ داری ریاست پر رکھ دی، جو کسی عذر کی بنا پر معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا ''جس کا کوئی سرپرست نہ ہو، اس کی سرپرست حکومت ہے۔ اگرچہ یہ حدیث کتاب النکاح سے ہے۔ لیکن سرپرستی صرف نکاح کے معاملہ تک محدود نہیں، بلکہ ایک عمومی سرپرستی ہے جس میں رعایا کی ضروریات کی تکمیل بدرجہ اولیٰ شامل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر ملک میں خواہ وہ معاشی طور پر ترقی یافتہ ہی کیوں نہ ہو، ایک طبقہ ایسا ضرور ہوتا ہے جو بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر افلاس و تنگ دستی کا شکار ہوتا ہے، ایسے لوگوں کی کفالت کی ذمہ داری اللہ تبارک وتعالیٰ نے صاحب حیثیت لوگوں پر ڈالی ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۷۷ میں ایمانیات اور نماز وزکوٰۃ کے ساتھ ساتھ رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلاموں کی آزادی کے لئے اپنا مال خرچ کرنے کو نیکی کا معیار قرار دیا گیا ہے۔

بلاشبہ قرآن کریم کی اعجاز آفرینی اور حیات طیبہ کی عملیت آج بھی اپنے شباب پر ہے۔ اسلام کی برکتوں اور سعادتوں کا شیریں چشمہ آج بھی رواں ہے، اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے رحمۃ اللعالمین اتنی وسیع ہے کہ ستم رسیدہ وافلاس گزیدہ انسانیت کو اس کے ظل عاطفیت میں پناہ مل سکتی ہے، بشرطیکہ ہم ایمان صادق اور یقین محکم سے ان تعلیمات کو اپنائیں۔ اس لئے کہ آج کی مادیت گزیدہ انسانیت کو اسلام کے تریاق کی اشد ضرورت ہے۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پاکستانی معاشرہ اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہو کر اخلاقی بلندی، روحانی بالیدگی اور معاشی خوشحالی کا مرقع زیبا بن جائے گا اور ہمیں وہ پاکیزہ رزق عطا ہوگا، جس سے ہماری پرواز میں کوتاہی نہ ہوگی، اور مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال نے ہمیں یہی تصور دیتے ہوئے فرمایا۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی(۲)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرزندان توحید میں ایثار وقربانی کا جذبہ بیدار کر کے انہیں ایک دوسرے کے مونس وغم خوار بنا دیا، جب ارد گرد کے لوگ اس جماعت حق پرست کی ایثار وقربانی کو ملاحظہ کرتے تھے تو انگشت بدنداں رہ جاتے تھے اور دل میں سوچتے تھے کہ یہ لوگ کس آسمان کی مخلوق ہیں،

جب انہوں نے انصار مدینہ کا ایثار دیکھا ہوگا تو ضرور ان پر اسلام کی صداقت وحقانیت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہوگی وہ خیال کرتے ہوں گے یہ کیسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گھر اور مال ومتال آدھوں آدھ بانٹ کر مہاجرین کے سامنے رکھ دیئے ہیں، ان میں اپنائیت اس درجہ سرایت کرگئی ہے کہ یہ احساس نہیں ہو پاتا کہ مہاجر کون ہیں اور انصار کون، حالانکہ سوائے اسلام کے ان میں کوئی اور رشتہ داری نہیں، انصار کس طرح ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور ان کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتے ہیں، وہ ان کی تقریبات میں شریک ہوتے ہیں اور یہاں تک کہ آپس میں بیاہ شادیاں بھی کرتے ہیں، مدینہ کے مقامی باشندے اور مکہ سے اجڑ کر آنے والے مہاجرین ایک ہی صف میں کھڑے ہیں، کچھ بھی وجہ امتیاز نہیں ہر ایک کی عزت ہوتی ہے، ہر ایک کی رائے وزن رکھتی ہے، سبھی ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں حصہ دار بنتے ہیں ان کے غم مشترک ہیں رسوم کی بوجھل بیڑیوں کو کاٹ کر آپس میں شیر وشکر ہوگئے ہیں نہ کوئی مخاصمت، نہ کوئی مخالفت، دل شکنی نہ دل آزاری یہ باتیں غیر مسلم دیکھتے ہوں گے تو ضرور کہتے ہوں گے کہ چلو ہم بھی اس برادری میں شامل ہوجائیں جہاں نہ کوئی محمود وآیاز ہے نہ کوئی امیر وغریب، جہاں بڑائی کا معیار فقط تقویٰ ہے۔ جہاں صرف وہی بزرگ اور اشرف ہے جس کا کردار سب سے زیادہ بلند ہے، استحصال سے پاک اس معاشرہ میں کتنی وافر نعمتیں ہیں؟ کتنی محبت بھری زندگی ہے؟ نیکی وبھلائی کا کیا سماں ہے؟ یہ زندگی کتنی پرسکون اور اطمینان بخش ہے؟ ہم بھی کیوں نہ اس معاشرے کے رکن بن کر اس کی فیوض وبرکات سے مستفیض ہوں اور پھر اس طرح چراغ سے چراغ جلتا رہا ہوگا اور خدا کے نام لیواؤں میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا ہوگا اور معاشرہ سدھرتا رہا ہوگا۔ (۳)

یہ ایک المیہ ہے دور جدید میں انسان کے ظاہری آرائش وزیبائش اور اس کے جسم کی نشو نما پر تو بہت زور دیا گیا ہے مگر روح اور اس کے تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا، نتیجہ یہ کہ جسم وروح کے درمیان فاصلہ بڑھتا چلا گیا، انسانیت کی منزل اوجھل ہوتی گئی، انسان انسان ہونے کے باوجود انسانیت کو ترس رہا ہے، آج کا انسان ایک دوراہے پر کھڑا ہے، اس کو اپنی منزل کی کچھ خبر ہی نہیں کہ وہ کدھر جا رہا ہے، عقلا حیران ہیں کہ اس کی منزل کیا ہے اور کیا ہونی چاہئے۔

پس اس بنیادی حقیقت کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ معاشرے کی اصلاح انسانی سیرت و کردار کو درست کرنے اور ہر قسم کی اخلاقی برائیوں کے سدباب کے لئے ''دین'' سے بڑھ کر موثر اور طاقتور محرک کوئی دوسرا نہیں ہوسکا ہے۔ بحیثیت مجموعی آج کی دنیا میں جرائم کی شرح جس تیزی سے بڑھ رہی ہے وہ تشویشناک حد تک سنگین ہے، دنیا بھر کے ممالک میں جرائم کی گرم بازاری ہر جگہ یکساں ہے،

جرائم کی روک تھام کے لئے نئی نئی تدبیریں کی جاتی ہیں پھر بھی جرائم میں کمی نہیں ہوتی بلکہ اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو محکمے یا ادارے جرائم کی روک تھام کے لئے بنائے جاتے ہیں وہ خود جرائم میں شریک بن جاتے ہیں، اس صورت حال سے یہ امر واضح ہے کہ جرائم کی روک تھام محض خارجی ذرائع سے ممکن نہیں، بلکہ ایک ایسا ''محتسب'' پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جو خود انسان کے اندر ہو اور جب بھی انسان کوئی غلط کام کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اسے روک دے، وہ محتسب انسان کا ضمیر ہے۔

تاریخ انسانی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی کسی معاشرہ میں بگاڑ آیا تو اس کی بنیادی وجہ اس کے ضمیر کا بگاڑ تھا، ضمیر گندہ ہو گیا تھا، خودغرض اور نفس پرست بن گیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام اپنا کام ضمیر سے شروع کرتے ہیں، وہ نظام کو اتنا بدلنے کی کوشش نہیں کرتے جس قدر ضمیر اور مزاج کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں، نظام ہمیشہ مزاج کے تابع رہا ہے اگر مزاج نہیں بدلتا تو کچھ نہیں بدلتا، ضمیر کو بدلنے کا واحد ذریعہ ایمان باللہ و بالیوم الآخر ہے، یہ عقیدہ کہ مرنے کے بعد انسان ایک دوسری زندگی میں داخل ہوگا، جہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا، جزا و سزا ہوگی، اصلاح احوال کا بس یہی ایک کافی وشافی ذریعہ ہے، انبیائے کرام اس عقیدے کو فعال بناتے ہیں تاکہ وہ دینوی زندگی پر اثر انداز ہو، اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک آدمی غلبہ نفس کی وجہ سے ارتکاب جرم کے بعد خود اپنے آپ کو سزا کے لئے پیش کرتا ہے، اگر کوئی معاشرہ صحیح معنوں میں عقیدہ آخرت سے آشنا ہو تو آخرت سنورنے کے علاوہ اس کی دینوی زندگی بھی جنت کا نمونہ بن سکتی ہے۔(۴)

اس وقت ملک کی سلامتی اور بقاء اور ملت کی فلاح و خیر کے لئے معاشرے کی بگڑی ہوئی حالت کو سنوارنے اخلاقی پستی سے نکالنے، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ایک ایک قدم بڑھنا ہے، ہم پر ہر طرف سے شیطان اور اس کے پیروکاروں کے حملے ہوں گے ہر ہر محاذ پر جنگ لڑنی ہے، شیطان، صاف اور سادہ ذہنوں کو زہر آلود کرنے، پراگندہ کرنے، ان کو انتشار میں مبتلا کرنے، بغاوت پر اکسانے، حیا سے بے حیائی کی طرف لے جانے، پاک دامنی کو گناہ آلود کرنے، نئی نسل اور مسلم خواتین کو اپنی اسلامی روایات سے باغی بنانے کے لئے کہیں ادب اور لٹریچر کے ذریعے اور کہیں تفریح کے سامان تعیش کے ذریعے یلغار کرے گا، اس سیل گناہ و فساد کو نہ انتظامیہ کی مشنری روک سکتی ہے نہ پولیس کے تھانے، جب تک موجودہ نوجوان نسل کے افکار و نظریات میں ایک انقلاب نہ پیدا کیا جائے، اس انقلاب کے لئے حب رسول ﷺ کے سوا اور کوئی علاج موثر نہیں۔(۵)

واقعہ یہ ہے کہ جب تک قانون کی نظر میں تمام برابر نہ ہوں اور اس کا نفاذ، مساوی بنیادوں پر نہ ہو تو معاشرے سے ظلم و فساد کا ازالہ نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ قانون عدل کا تعلق لوگوں کے حقوق سے ہے اور حقوق سے محرومی کی صورت میں کسی معاشرے کے افراد مخلصانہ بنیادوں پر متحد نہیں ہو سکتے، عدل کی حقیقی معنویت یہی ہے کہ حق دار کو اس کا حق ملے، اگر کسی معاشرے میں عادلانہ اقدار کو فروغ نہ ہو اور قانون عدل کی بالادستی نہ ہو تو لوگ طبقات میں منقسم ہو جائیں گے ایک دوسرے کے خلاف اشتعال پیدا ہوتا رہے گا، اور دلوں میں باہمی محبت کے بجائے عداوت کے جذبات پرورش پاتے رہیں گے اور اس حرب وضرب اور باہمی جدل وقتال کا خاتمہ ناممکن ہو جائے گا جو صدیوں سے عرب کے جاہلی معاشرے میں جاری تھا، اس طرح پوری قوم ہلاکت و تباہی سے دوچار ہو کر تاریخ کا ورق پارینہ بن جائے گی، اس ہلاکت کی طرف مسلم کی حدیث میں ان مبارک الفاظ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو لوگ تم سے پہلے تھے، وہ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب کوئی ممتاز آدمی چوری کرتا تھا لوگ اسے چھوڑ دیتے تھے، اور اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد نافذ کرتے تھے۔ (اور مجھے قسم ہے رب کی) اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کریں تو ان کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں۔

اس تصور سے معاشرے میں مساوات کی حقیقی بنیاد فراہم کردی گئی، اور انسانوں پر انسانوں کی جو حاکمیت مسلط تھی اس کا خاتمہ کر دیا گیا، نماز، حج، زکوۃ، روزے سے لے کر معاملات اور حقوق العباد تک کے سارے احکام عدل و مساوات ہی کے مظاہر ہیں۔ (۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نئی اخوت اور دین وعقیدے پر مبنی قومیت کو مستحکم بنانے کے لئے ان تمام باتوں کی تلقین فرمائی جن سے باہمی محبت اور اتحاد کو فروغ ہوتا ہو اور ایسی تمام باتوں سے منع فرمایا جن سے مسلمانوں کے باہمی تعلق اور ارتباط میں رخنہ پڑتا ہو، تفرقے کی صورت پیدا ہوتی ہو، وہی ارشادات معاشرے کی صلاح وفلاح کے اہم اور اساسی نکات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حدیث شریف ہے:

المسلم کالبنیان یشد بعضه بعضا۔ (بخاری)

مسلمان ایک دیوار کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مستحکم کرتا ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت واصلاح کے فیض سے پورا مسلم معاشرہ اتحاد اور باہمی الفت و محبت کے اعتبار سے جسد واحد بن گیا، ہر فرد کا دل ایک دوسرے کی تکلیف ومصیبت میں اس طرح

بے قرار ہوتا تھا جیسے وہ خود اس میں مبتلا ہو ایسی محبت اور ایسی الفت کی مثالیں تاریخ میں نہیں ملتی، جو اس معاشرے کے افراد نے پیش کیں۔

ان سارے احکام اور سارے اصول و اقدار کا مرکز و محور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور شیفتگی کا وہ جذبہ تھا جو اپنے اندر زبردست تسخیری قوت رکھتا تھا۔ اس محبت نے معاشرے کے افراد کو ذوق طاعت سے آشنا کیا، جاں سپاری اور فدائیت پیدا کی، ضمیر و شعور میں یہ بات پیوست کر گئی کہ سعی و عمل کے ہر میدان میں اور فکر و اعتقاد کے ہر شعبے میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا کو معیار قرار دیا جائے۔

حسن معاشرت اور باہمی خیر و فلاح کے اسی اعلیٰ مقصد کے حصول کی خاطر رب تعالیٰ نے نو باتوں پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔ ارشاد نبوی ہے صلی اللہ علیہ وسلم کہ میرے رب نے مجھے نو باتوں کی تاکید فرمائی ہے کہ میں چھپ کر اور کھلے بندوں ہر حال میں اخلاص سے کام لوں راضی ہونے اور غصے میں ہونے کی دونوں حالتوں میں عدل و انصاف سے کام لوں، امیری اور فقیری دونوں میں میانہ روی اور اعتدال کو اپناؤں، جس نے مجھ سے زیادتی کی ہو اس سے درگذر کروں جو مجھ سے چھیننے میں اس کو عطا کروں، جو مجھ سے رشتہ توڑے میں اسے جوڑوں اور یہ کہ میری خاموشی غور فکر کے لئے ہو، میرا بولنا اللہ کے ذکر کے لئے ہو، اور میرا دیکھنا حصول عبرت کی خاطر۔(۸)

آپ کی بعثت کے دو مقاصد تھے، ا۔تعلیم، ۲۔تربیت، تعلیم کے ذریعے علم کی نشر و اشاعت ہوتی ہے اور تربیت کے ذریعے اخلاق درست ہوتے ہیں اس کے بغیر نہ تو کوئی قوم دنیا میں باقی رہ سکتی ہے اور نہ ہی ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے۔

اخلاق فاضلہ کا وجود قوموں کی بقا و ترقی کا سبب ہے،

اور اخلاق کی تربیت کے لئے علم کا ہونا اشد ضروری ہے اس لئے فرد کے اندر اخلاق فاضلہ کی تخلیق کے لئے ہمیں ایک ایسا تعلیمی ڈھانچہ تیار کرنا پڑے گا جس کی بنیاد تقوی پر قائم ہو اور جس میں کتاب و سنت کی تعلیمات کو مرکز اور محور کی حیثیت دی جائے۔(۹)

ایک مصلح کے لئے پاکیزہ و بہترین سیرت و کردار کا حامل ہونا انتہائی ضروری ہے وہ عمل صالح اور تقویٰ و طہارت کی صفات سے متصف ہو، ان صفات کے بغیر اصلاح کی ساری کوششیں بے سود اور دلائل و براہین کے انبار بے کار ثابت ہو جاتے ہیں، اس کا کردار اتنا بلند اور بے داغ ہو کہ اس کے مخالف بھی اس کے کسی عمل کی طرف انگشت نمائی نہ کر سکیں، ایسا شخص خدا کی حجت اور آیۃ من آیات اللہ ہوتا ہے جسے دیکھ کر

ضروری دلائل سامنے آجاتے ہیں اور ہزار ہا قلوب کا معالجہ خود اس کی ذات اور عملی زندگی بن جاتی ہے۔

اے لقا تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

یہی وجہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح وتبلیغ کا کام شروع کیا تو پورا معاشرہ آپ کے اخلاق واوصاف اور امانت وصداقت کا معترف تھا، یہ اوصاف انہیں سوچنے پر مجبور کرتے تھے کہ ایسا شخص جوان میں پیدا ہوا، ان میں اس نے بچپن، لڑکپن اور شباب گزارا اور اس حسین و پاکیزہ طریقے سے گزارا کہ کسی نے بھی اس پر انگشت نمائی نہ کی، انہی اوصاف حمیدہ اور پاکیزہ سیرت وکردار کی بدولت اہل عرب کے دلوں کو مسخر کرکے انہیں اپنے رنگ الٰہی میں رنگ دیا اور اس طرح انہیں ایک عظیم و بے مثال قوم بنادیا۔

آج ہماری اصلاحی کوششوں کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ گفتار کے غازی تو ضرور ہیں مگر کردار کے نہیں اس کے بغیر ہماری ہر اصلاحی کوشش نقش برآب ثابت ہورہی ہے۔(۱۰)

تمام برائیوں کا بنیادی سبب ''جہل'' ہے اور دوسری جانب تمام نیکیوں اور بھلائیوں کے وجود میں آنے کا ذریعہ ''عدل'' ہے۔ میں اس جواب کو قرآن کریم کی سورۃ البقرہ کی آیت کے حوالے سے ترتیب دے رہا ہوں جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ دین اسلام صرف چند باتوں کو ترک کردینے اور چند باتوں کو اختیار کرلینے کا نام نہیں ہے، ارشاد ہوتا ہے:

یاایھا الذین آمنوا لا تتبعوا خطوات الشیطن انه لکم عدو مبین۔

اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے، اور نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

یہ آیت ہمیں دین کے مزاج سے آشنا کررہی ہے کہ دین مستقل ضابطہ حیات ہے اس کے اپنے عقائد ہیں اس کے اپنے دیوانی اور فوجداری قوانین ہیں، اپنے سیاسی و معاشی نظریات ہیں، جو دوسرے نظام ہائے حیات سے میل نہیں کھاتے اور یہی وہ نظام حیات ہے جو مادی ترقی ہو خواہ روحانی دونوں کو ہر طرح کی ضمانت دیتا ہے، لیکن اسلام کی یہ تمام برکتیں اسی وقت حاصل ہوسکتی ہیں جب اس نظام کے ماننے والے اس آیت کے مطابق اس کے تمام ضابطوں پر عمل پیرا ہو جائیں، اگر ایسا ہو جائے تو جہل پھر جہل ہی رہے اور علم پھر علم، یعنی وہ جو خرابی سوال بن کر ابھری کہ آخر ایسا کیوں اس کا جواب اس

آیت میں ہے کہ اگر تم دین میں پورے پورے داخل ہو گئے اور اپنا سب کچھ سپرد کر دیا قوانین اسلام کو تو کامیابی اور سرخروئی تمہارے قدم چومے گی۔(۱۱)

جب تک قرآن کے بتائے ہوئے اصول کے عین مطابق نظام عدل قائم نہیں ہو جاتا معاشرہ کی اصلاح کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا، اگر ہم اس نظام عدل کو قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو برائیوں اور خباثتوں کو ہمارے شہروں اور دیہاتوں میں پناہ نہیں ملے گی اور وہ اپنا وجود لے کر سرحد پار ہو جائیں گے اور نیکیوں کا عالم یہ ہو گا جیسے شاعر نے کہا، اگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالب، اسی طرح بھلائی کا سبزہ اور نیکی کی بیلیں پھیلتی اور چڑھتی نظر آئیں گی۔

لیکن ہمیں جو مہلت خداوند قدوس نے عطا کی ہے وہ تیزی سے گزر رہی ہے اور ہم شاید یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ مہلت کے لمحات شاید قیامت کے سلسلے سے جا ملیں گے اور ہماری غفلت، کوتاہی لاپرواہی، بے اعتنائی اور ٹال مٹول کو اللہ تعالیٰ ڈھیل دیتا ہی رہے گا۔ اس سے پہلے کہ رسی حق تعالیٰ کی جانب سے کھینچی جائے۔ ہمیں اپنی زندگی کا ہر عمل سیرت طیبہ کے بنائے ہوئے سانچہ میں ڈھال لینا چاہئے اور قرآنی عدل کے آئینے میں روز صبح اٹھ کر اپنا چہرہ دیکھنا چاہئے (۱۲)

آنحضرت ﷺ جس معاشرے میں پیدا ہوئے، جوان ہوئے، نبوت ملی، اگر اس معاشرے کی مذہبی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس میں افراتفری اور انتشار نہ ہوں، معاشرے کے افراد کے درمیان میں کوئی ربط نہیں تھا، کوئی ہم آہنگی نہ تھی، کوئی ایک ایسا نکتہ نہیں تھا جس پر وہ متفق ہو سکیں، کوئی ایسا نظریہ حیات نہیں تھا جو ان میں فکری اور ذہنی ہم آہنگی پیدا کر سکیں، کوئی ایسا عقیدہ نہیں تھا جو ان کی زندگی کا نصب العین واضح کر سکے، حقیقت میں یہ ایک پراگندہ اور منتشر الخیال لوگوں کا معاشرہ تھا، مگر حضور ﷺ نے جب توحید کا اعلان کیا اور ان لوگوں کو سمجھایا کہ ماسوا اللہ کسی چیز کی عبادت درست نہیں، اسی کی ذات تمام کائنات کی خالق اور مالک ہے، وہی زندگی دینے والا اور زندگی لینے والا ہے، اسی سے مانگنا چاہئے، وہ عزت بھی دیتا ہے اور ذلت بھی، اس عقیدۂ توحید کو آنحضرت ﷺ نے بار بار ان کے ذہنوں میں اتنا پختہ کیا کہ وہ منتشر افراد اس پر اکٹھے ہو گئے اور جب اس عقیدے نے ان کو ایک نظریہ حیات اور زندگی کا نصب العین عطا کیا تو سب ایک ہو کر اس نصب العین کے حصول کے لئے آگے بڑھے، ان میں فکر و ذہنی وحدت پیدا ہو گئی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ آگے چل کر یہ نظریہ حیات تمام ادیان باطلہ پر غالب آ گیا اور اسلام پوری شان و شوکت کے ساتھ دنیا میں پھیلا۔ اس لئے کہ عقیدے سے، یقین سے،

نصب العین کی لگن سے قومیں آگے بڑھتی ہیں، اگر کوئی اساسی نکتہ نہ ہو جس پر معاشرے کے افراد مجتمع ہو سکیں اور زندگی کی راہ کو متعین کر سکیں تو ایسا معاشرہ کبھی وہ افراد پیدا نہیں کر سکتا جو خود اپنی بھی اصلاح کر سکیں اور دوسروں کی اصلاح کا بھی ذریعہ بن جائے، یہ حدت فکر انسانی زندگی کا وہ قیمتی سرمایہ ہے کہ اس کو پختہ کرنا، اپنے نظریہ حیات سے وابستہ رہنا، اپنی نصب العین کے حصول کے لئے زندہ رہنا اس کو تحفظ دے سکتا ہے اور معاشرے کے افراد کی ذہنی اور اخلاقی تربیت اس عقیدہ توحید سے ہوسکتی ہے جو عقیدہ آنحضرت ﷺ تمام دنیا کے فلاح اور کامرانی کا ذریعہ سمجھتے تھے اور جس نے قوموں کی تقدیر کو بدل ڈالا۔(۱۳)

حرف اختتام

ابتدائیے اور مقالات سیرت کے اقتباسات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت واصلاح کی بنیادی مقصد، زرومال کی فراوانی کی بناپر بگڑی ہوئی قوم کو لین دین، ناپ تول اور عہد و پیمان کی صحت و پابندی کی طرف لانا تھا۔ اکل حلال اور صدق مقال کا احساس دلانا تھا کہ معاشرتی تطہیر اور روحانی تنویر کے لئے انہیں اساسی حیثیت حاصل ہے۔ انہی سے سوچ کو سچ کی عظمت، جوش کو حمیت کا بانکپن، عمل کو تقدس کی چاندنی اور عبادت کو سرور و کیف کا شرف نصیب ہوتا ہے، رگوں میں حرام رواں دواں ہو اور زبانیں دروغ کو فروغ دے رہی ہوں تو سوچ سے سچ روٹھ جاتا ہے، سجدے بے ذوق اور آہیں بے تاثیر ہو کر رہ جاتی ہیں، حضرت شعیب علیہ السلام کے پیش نظر معاشرتی خرابیوں کی اصلاح تھی کوئی ذاتی منفعت نہ تھی، اس لئے وہ دعوت وہدایت کے ساتھ ہی یہ واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پاکیزہ روزی اور آسودگی عطا کر رکھی ہے اور وہ معاملات حیات میں دیانت وامانت کو اپنائے ہوئے ہیں اور بغیر کسی اجر کے، اپنی استطاعت کے مطابق معاشرتی اصلاح کے آرزومند ہیں، وہ اس بنیادی بات کو بھی واضح کر دیتے ہیں کہ ہر توفیق بارگاہ الوہیت سے ملتی ہے اور اسی پر بھروسا کیا جاسکتا ہے اور اسی کی طرف رجوع، عبادت کا مرکز بھی وہی، استعانت کا محور بھی وہی، نشیمن بھی وہی شاخ نشیمن بھی وہی، گویا ایک معاشرتی مصلح کے لئے لازم ہے کہ اس کے پیش نظر کوئی ذاتی مفاد نہ ہو اس کے قول وعمل میں کوئی سا تضاد بھی نہ ہو اللہ تعالیٰ پر اس کا ایمان سچا اور پکا ہو اور اسے اس کے حضور میں جوابدہی پر مکمل یقین ہو، قوم نے حضرت شعیبؑ کی دعوت سے انکار کیا اور انہیں قتل کی دھمکیاں دیں یوں وہ عذاب الٰہی کی مستحق ٹھہری، جب غلط روش، فطرت ثانیہ بن جاتی ہے، جب

زر و مال کی محبت نگاہوں کو خیرہ اور حواس کو مختل کر دیتی ہے اور جب ہوائے نفس، دل کے آئینے کو دھندلا دیتی ہے، تو مزاج قبولِ حق کی صلاحیتوں سے محروم ہو جاتے ہیں اور تباہی مقدر ہو کر رہ جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رشد و ہدایت کا آغاز فرمایا تو قریش کی کج فکری اور بدعملی حضرت شعیبؑ کی قوم سے کہیں بڑھ کر تھی۔ حضور ﷺ نے اصلاح احوال کے لئے اپنے جذبوں کا سوز اور نواؤں کا خلوص اس انداز سے وقف کیا کہ خارزار رشکِ بہاراں بن گئے، تخریب تہذیب کا دیباچہ ہو گئی اور ذروں کی تابناکی پر آفتاب و ماہتاب رشک کرنے لگے، اور تاریخ کو تسلیم کرنا پڑا کہ

یہیں خار وخس کے جلو میں ملی ہیں
ہزاروں بہاریں خراماں، خراماں
یہیں سے ملا تھا، یہیں مل سکے گا
سکون دل وجاں، سکون دل و جاں
کرشمے ہیں ان ﷺ کی نگاہِ کرم کے
خیاباں خیاباں، بہاراں بہاراں (مرتب)

بارھویں سیرت کانفرنس ۱۲،۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ/ ۲۵،۲۶/ اکتوبر ۱۹۸۸ء

مرکزی خیال

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ

کی روشنی میں اسلام کا نظام عدل و احسان اور برائیوں کا انسداد

فہرست مضامین

۱ پیش لفظ جناب چوہدری شوکت علی

۲	سورۃ النحل کی آیت کریمہ کی روشنی میں اسلام کا نظام عدل واحسان اور برائیوں کا انسداد	محمد مسعود خان	۱
۳۔	اسلام کا نظام عدل واحسان اور برائیوں کا انسداد	ڈاکٹر غلام سرور خان نیازی	۲۷
۴۔	مکارم اخلاق کی تکمیل اور رذائل اخلاق سے اجتناب کا قرآنی فلسفہ	پروفیسر حافظ محمد طاہر	۵۳
۵۔	اسلام میں عدل واحسان کا مفہوم	محمد عمر دراز	۶۱
۶۔	سورۃ النحل کی آیت نمبر ۹۰ کی روشنی میں اسلام کا نظام عدل واحسان اور برائیوں کا انسداد	پروفیسر محمد لطیف	۷۰
۷۔	نظام عدل اور اصلاح معاشرہ سیرت طیبہ کی روشنی میں	ڈاکٹر عبدالرشید	۱۰۹
۸۔	اسلام کا نظام احسان اور اصلاح معاشرہ سیرت طیبہ کی روشنی میں	پروفیسر سعید الرحمٰن	۱۱۹
۹۔	زیردستوں کے ساتھ عدل واحسان اور سیرت طیبہ	پروفیسر سمیع اللہ قریشی	۱۲۷
۱۰۔	اسلام کا نظامِ عدل واحسان اور برائیوں کا انسداد	ملک محمد اشرف	۱۴۵
۱۱۔	اسلام کا تصورِ عدل واحسان	سعید الدین شیرکوٹی	۱۶۹
۱۲۔	رسول اکرم ﷺ کے نظام عدل کی خصوصیات	پروفیسر حافظ احسان الحق	۱۸۵
۱۳۔	حضور علیہ السلام کا نظام عدل واحسان	بریگیڈیر گلزار احمد	۱۹۰
۱۴۔	نبوی نظام عدل	علامہ کفایت حسین نقوی	۲۱۳
۱۵۔	اسلامی ریاست کے انتظامی امور سیرت طیبہ کی روشنی میں	پروفیسر محمود علی شاہ	۲۲۵
۱۶۔	اسلام کا نظام عدل واحسان	ڈاکٹر نثار احمد	۲۲۷
۱۷۔	اسلام کا نظام عدل واحسان اور برائیوں کا انسداد	پروفیسر حافظ احمد یار خان	۲۷۳
۱۸۔	معاشرتی زندگی میں احسان کی فضیلت واہمیت	مولانا محمد اطہر نعیمی	۲۹۷
۱۹۔	اسلام کا نظام امر بالمعروف ونہی عن المنکر	قاضی عبدالغفار خان	۳۲۱

ابتدائیہ

زیرِنظر مقالات سیرت میں سورۃ و النحل کی آیت ۹۰ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَائِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ط کی روشنی میں اسلام کے نظم عدل و احسان اور برائیوں کے انسداد کا جائزہ لیا گیا ہے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس آیت کو سنتے ہی عثمان بن مظعون کا انکار، اقرار، کفر، اسلام اور سرکشی، اطاعت کے سانچے میں ڈھل گئی ہی۔اور خیر وشر کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرنے والی اس آیت کی تعریف وہ لوگ بھی کرتے رہے جن کے دل میں کفر نے اپنا آشیانہ بنا رکھا تھا۔اس آیت میں تین امور پر عمل کی تلقین کی گئی ہے اور تین امور سے منع کیا گیا ہے، حکم دیا گیا ہے، عدل، احسان اور صلۂ رحمی کا، روکا گیا ہے بے حیائی، برائی اور سرکشی سے، اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو اس ایک آیت میں بصائر و عبر کی ایک دنیا سمٹی ہوئی ہے۔نصیحت، سبق آموزی اور فکر و تدبر کے سلسلے ہیں کہ پھیلتے ہی چلے جاتے ہیں، اس ایک آیت پر عمل سے اس ظلمت کدے میں نور بکھرتا رہا ہے اور جب تک اس پر عمل رہے گا، انسانی زندگی سکون و عافیت کا گہوارہ بنی رہے گی۔

عدل، اعتدال کی دل آویزیوں سے عبارت ہے، اعتدال تناسب و توازن کا وہ حسین امتزاج ہے کہ اس سے زندگی رنگ و نور کی ایک نظر افروز قوس قزح اور سرور و حضور کی ایک خوبصورت کہکشاں بن جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے عدل کے ساتھ ہی احسان کا ذکر کر کے جلال کو جمال عطا کر دیا ہے کہ عدل سے زندگی تلخیوں اور ناانصافیوں سے بچتی ہے، جب کہ احسان سے ناگواریوں کی جگہ خوشگواریاں لے لیتی ہیں، عدل، خارزاروں کی نیش زنی سے بچاتا ہے جب کہ احسان، صحراؤں میں گل و گلزار کھلاتا ہے، عدل کا مقصد ہے کہ خود بھی آسودہ رہو اور دوسروں کی آسودگی کا بھی خیال رکھو، جب کہ احسان، اپنی مسرتوں کو دوسروں میں بانٹ کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا نام ہے

رکھتے ہیں جو اوروں کے لئے پیار کا جذبہ
وہ لوگ کبھی ٹوٹ کے بکھرا نہیں کرتے

گویا عدل و احسان سے معاشرتی زندگی بہر اعتبار، معتبر ہو جاتی ہے اور بہر نوع استبداد و استحصال کی جڑ کٹ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے معاملات و مناقشات میں عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے کو ایک

احسن امر اور خوبصورت نصیحت قرار دیا ہے (سورۃ النساء، آیت ۵۸) اور عدل ایک ہمہ گیر خوبی ہے زندگی کے ہر میدان میں اس سے رنگ وآہنگ نکھرتا ہے، یہ گفتار وکردار کا حسن ہے، بات بھی انصاف سے کرنے کا حکم ہے خواہ معاملہ اپنوں ہی کا کیوں نہ ہو کیونکہ بے ڈھب گفتگو سے بسا اوقات معاملات میں الجھاؤ پیدا ہوتا ہے، اسلام کے لفظ میں لغوی طور پر سلامتی، اطاعت، انکسار اور نرمی کا مفہوم پایا جاتا ہے، اعتدال کے راستے پر چلنا اور ہر قسم کی لغویت سے بچنا اسلام ہے۔

قرآن پاک نے کئی مقامات پر عدل وانصاف کا حکم دیا ہے، اپنوں کے ساتھ بھی اور بیگانوں کے ساتھ بھی، گفتار میں بھی اور رفتار میں بھی، لین دین میں بھی اور ناپ تول میں بھی، متاہل زندگی میں بھی اور معاشرتی معاملات میں بھی، شہادت کے ضمن میں بھی اور عدالت کے امور میں بھی، تحریر میں بھی اور تقریر میں بھی، اپنی ذات کے بارے میں بھی اور کائنات کے سلسلے میں بھی۔ اغیار ہوں یا اخیار، ہر ایک کے ساتھ انصاف کا حکم ہے اور مقصود رضائے الٰہی ہے جس سے یہ زندگی بھی سنورتی ہے اور آخروی زندگی بھی نکھرتی ہے۔

عدل، انتہائی ذمہ داری کا شعبہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابرین، شاہانہ مزاج کی برہمی کے نتیجے میں ہر سزا کا خیر مقدم کرتے تھے مگر دینی، فقہی اور اخلاقی عظمتوں کے باوصف کرسئ عدالت کی پیش کش کو قبول نہ کرتے تھے کیوں کہ وہ منصب عدالت کے تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ منصف اپنی زبان کے ہر بول اور اپنے قلم کی ہر تحریر کے لئے اس ایوان انصاف میں جوابدہ ہے جس کا دروازہ آنکھ بند ہوتے ہی کھل جاتا ہے، حق یہ ہے کہ عدل، خشیت الٰہی اور توفیق الٰہی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف کی یوں پاسداری اور پاسبانی فرمائی کہ منکرین و مخالفین بھی مناقشات باہمی کے فیصلے آپ ﷺ ہی سے کراتے تھے کہ انہیں آپ کے فیصلوں پر مکمل اعتماد تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تب بھی صادق اور امین تھے جب کہ اعلان نبوت نہیں ہوا تھا اور اعلان نبوت کے بعد صدق وامانت کی یہ خوبیاں تابندہ تر اور پائندہ تر ہوتی چلی گئیں، جب کہ خلفائے راشدینؓ نے عدل و مساوات کی انتہائی قابل قدر روایات قائم کیں کہ تاریخ ان کی محراب عظمت میں دوزانو دکھائی دیتی ہے۔

عدل کے ساتھ احسان پر زور دیا گیا ہے کہ احسان سے مروت اور سخاوت کو بال و پر ملتے ہیں، اسی سے ایثار کا جذبہ ابھرتا ہے، دوسروں کے لئے زندہ رہنے کا شوق نکھرتا ہے، انسانی وحدت، اخوت کے جلو میں مسکراتی ہے، عدل سے ظاہر و باطن میں مساوات پیدا ہوتی ہے جب کہ احسان سے غازہ جاں کی بدولت چہرہ گلگوں نظر آتا ہے، اور جذب باہمی سے یہ ارضی دنیا جنت نشان ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے احسان کی تلقین کے ساتھ یہ بھی یاد دلا دیا کہ یوں احسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ احسان کیا۔ (سورۃ القصص، آیت ۷۷) اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کو نہ شمار کیا جاسکتا ہے، اور نہ ان کا حق ادا ہوسکتا ہے، احسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک پسندیدہ عمل ہے، اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو خصوصی صلہ عطا فرماتے ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں، انہیں اپنے قرب سے نوازتے ہیں، حکمت و علمیت کی فضیلتیں ان کے لئے وقف رہتی ہیں، زمین پر احسان کرنے والوں کو سماوی نوازشوں سے فیضیاب کیا جاتا ہے، اسلام نے عزیز واقارب کے ساتھ حسن سلوک پر بہت زور دیا ہے کہ صاحب وسعت، اپنے غریب قرابت داروں کا خیال رکھیں، اوران کی مالی اعانت کریں، اگر جسمانی طاقت ہوتو ضعیف محتاج رشتہ داروں کی ہاتھ پاؤں سے مدد کریں، اگر کچھ بھی نہ ہوسکے تو کم از کم رشتے داروں کے لئے دعائے خیر ضرور کرنی چاہئے، ہمارے اسلاف نے قرابت داروں کے بارے میں حسن سلوک کی درخشندہ روایات چھوڑی ہیں، ہماری تاریخ ہمارے اسلاف کی انہی عظمتوں کی ایک دل آویز داستان ہے، کردار کی یہ درخشانی، فکر کی یہ تابانی اور عمل کی یہ نازسامانی، اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ایک خوبصورت نتیجہ ہے۔

اک ترے قریۂ مہتاب سے نسبت ہے جنہیں
ان فقیروں کے تو کشکول میں دارائی ہے
وہ ارادوں کی طلب سے بھی فزوں دیتے ہیں
ختم اس بابِ کرم پہ کرم آرائی ہے

درج بالا تین اہم اخلاقی خوبیوں کے بعد جن تین برائیوں کا ذکر ہے، ان سے اگر اجتناب کیا جائے تو انفرادی طور پر انسان میں صالحیت آتی ہے جب کہ اجتماعی طور پر پورا معاشرہ سنورتا ہے، فحشاء سے ہر قبیح اور شرمناک فعل مراد ہے خواہ وہ لسانی ہو یا جسمانی، ایک مسلمان خود بھی غلط کاموں سے بچتا ہے، اور مقدور بھر ان کا سد باب بھی کرتا ہے، اپنی اصلاح کے بعد بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کا فرض خود بخود عائد ہو جایا کرتا ہے کہ روشنی وہی ہوتی ہے جو گرد وپیش کو منور کرے، منکر سے مراد ہر وہ برائی ہے جسے انسان کا ضمیر برا جانتا ہے اور بغی سے مراد حد سے بڑھنا ہے، اسلام نام ہے حقوق کی حفاظت کا، خواہ وہ حقوق خالق سے متعلق ہوں یا مخلوق سے، قرآن پاک نے نیکیوں میں تعاون اور برائیوں سے بچنے کی ہدایت کی ہے اور امت مسلمہ کو بہترین امت قرار دیا ہے اور ساتھ ہی بتا دیا ہے، بہترین امت وہ ہوتی ہے جو اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روکے، برائی کو دیکھنا اور چپ سادھ لینا، خود کو اس میں شریک کر لینا

ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان واجب الاذعان ہے کہ برائی کو قوت سے روکو، قوت نہ ہو تو زبان سے روکنے کی کوشش کرو اور یہ قدرت بھی نہ ہو تو کم از کم دل ہی سے برا جانو اور یہ علامت ہے کمزور ترین ایمان کی۔ اور یہ بات بھی اسی زبان صدق اظہار سے نکلی ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم ضرور اچھائی کا حکم دینا اور ضرور برائی سے روکنا، اگر نہ کرو گے تو عنقریب اللہ اپنے پاس سے تمہارے اوپر عذاب نازل فرمائے گا پھر تم اس کو ضرور پکارو گے لیکن تمہاری پکار سنی نہیں جائے گی۔ (جامع ترمذی/ابواب الفتن)

اور آج ہماری دعائیں بھی بے توقیر ہیں اور نوائیں بھی بے تاثیر، صرف اس لئے کہ ہمارے روز و شب نیکیوں سے تہی اور برائیوں سے پراگندہ ہیں۔

وہ بتوں نے ڈالے ہیں وسوسے کہ دلوں سے خوف خدا گیا
وہ پڑی ہیں روز قیامتیں کہ خیال روز جزا گیا
جو نفس تھا خارگلو بنا، جو اٹھے تو ہاتھ لہو ہوئے
وہ نشاطِ آہ سحر گئی، وہ وقارِ دستِ دعا گیا (مؤلف)

چند اقتباسات

اسلام ان ابدی صداقتوں کے مجموعہ کا نام ہے جنہیں زمین و آسمان کے مالک نے ہدایت کے لئے اپنے انبیاء کے ذریعے بیان فرمایا ہے اور جن کو اپنی شکل میں آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے اپنے قول اور فعل سے انسان کو تفویض فرمایا ہے، یہ وہ صداقتیں ہیں جن پر کہنگی اور فرسودگی کا کبھی سایہ نہیں پڑ سکتا، جو ہر دور اور ہر زمانے کے لئے مادی طور پر سچی ہیں اور جن میں مرور ایام سے کوئی فرق نہیں آتا اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ کسی انسان کے ذہن کی تخلیق نہیں ہیں کہ زمان و مکان کی دقتیں ان کے لئے زنجیر پا بن سکیں، اور ان کو جس خالق حقیقی نے بیان کیا ہے اس کے لئے ماضی حال اور مستقبل یکساں ہیں اور اسے زمان و مکان کی کوئی مجبوری لاحق نہیں۔

یہ دعویٰ کہ اسلام زندگی کے تمام مسائل کو بہ حسن و خوبی حل کرتا ہے اور کوئی نظام یا نظریہ حیات اس پہلو سے اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا محض ایک جذباتی دعویٰ نہیں۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو

خدااور اس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی روشنی میں زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر اور صورت گری کرتا ہے اور زندگی کے پہلو ہدایت الٰہی کے نور سے منور کرتا ہے خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، معاشرتی ہوں یا تمدنی، مادی ہوں یا روحانی، معاشی ہوں یا سیاسی اور ملکی ہوں یا بین الاقوامی اس کے ساتھ ساتھ اسلام پوری قوت سے زندگی کی روحانی حقیقت کا بھی اظہار کرتا ہے۔(۱)

مجاہدؒ کہتے ہیں ہر حلال اور ہر حرام قرآن حکیم میں بتا دیا گیا ہے، اس کے بعد علامہ ابن کثیر اپنی رائے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول زیادہ جامع ہے کیوں کہ قرآن حکیم تمام علوم نافعہ کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے، اس میں گذرے ہوئے لوگوں کی خبریں بھی ہیں اور آنے والے واقعات کا علم بھی ہے۔ ہر حلال اور حرام اور وہ تمام امور جن کی طرف لوگ اپنی دنیا، اپنے دین اور اپنی معاش و معاد میں رجوع کرتے ہیں سب مذکور ہیں۔(تفسیر ابن کثیر)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ شعر بھی اس قول کی تائید کرتا ہے۔

جمیع العلم فی القرآن لکن　　　تقاصر عنہ افہام الرجال

قرآن پاک میں تو تمام علوم ہیں لیکن لوگوں کے ذہن ان کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے محترم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ:

اس ہماری اُتاری ہوئی کتاب میں ہم نے تیرے سامنے سب کچھ بیان فرما دیا ہے، ہر علم اور ہر شے اس قرآن میں ہے، ہر حلال وحرام، ہر ایک علم نافع اور ہر بھلائی، گذشتہ کی خبریں، آئندہ کے واقعات، دین دنیا معاش و معاد، سب کے ضروری احکام اس میں موجود ہیں، یہ دلوں کی ہدایت ہے، یہ رحمت ہے، یہ بشارت ہے۔

صاحبِ تدبر قرآن اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے لئے رحمت اور بشارت ہے جو اپنے آپ کو بالکلیہ اپنے رب کے حوالے کر دیں، یہ ان کو صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرے گی، پھر جو اس صراطِ مستقیم کو اختیار کر لیں گے، ان پر خدائے رحمٰن و رحیم کی عظیم رحمت ہوگی، اور عظیم رحمت کی پیشگی بشارت ہے۔(۲)

اسلام کے پورے نظام کی اساس اور معیشت و معاشرت کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے، اگر غور سے دیکھا جائے تو پوری کائنات کا نظام ہی عدل پر قائم ہے۔ چاند سورج ہوں یا آسمان ستارے سب کے سب نظامِ عدل سے قائم ہیں، عدل جہاں کہیں ہوگا وہاں بہاریں ہوں گی۔ اس کا بابرکت سایہ زندگی

کو پر بہار بنا دیتا ہے، آواز میں اعتدال آ جائے تو نغمہ بن جاتا ہے، الفاظ موزوں ہو جائیں تو شعر بن جاتا ہے، اور رنگ وروپ کا توازن حسن کہلاتا ہے، جس قوم کی سیاست، معاشرت اور معیشت کی بنیاد عدل و انصاف پر ہوگی وہ قوم دنیا کی سب سے خوش بخت قوم ہوگی اور جس ملک میں عدل واحسان کا دور دورہ ہوگا وہ ملک اور اس کے باشندے خوف وغم سے آزاد ہر نعمت سے مالا مال ہوں گے۔(۳)

حدیث مبارک میں حیا کی اہمیت متواتر آئی ہے اور کتب تصوف اور اخلاق میں بھی اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے، مجموعی معنی کے لحاظ سے آداب واحکام کی پاسداری اور بعض عقیدوں چیزوں اور شخصیتوں کے احترام کی خاطر خود کو کسی پیش قدمی سے روکنا جس سے دل شکنی یا بے احترامی یا سوئے خلق کا کوئی پہلو نکلتا ہے یا حدود وشرعی سے کچھ تجاوز کا امکان ہو بارادہ حدود واحکام واحترام وآداب کو توڑنا بے حیائی ہے، یہ لفظ بھی عام ہے، لیکن خصوصی طور سے ان کا اطلاق بھی شہوانی امور پر ہوتا ہے، مثلاً کسی کا بالقصد اور علی الاعلان اور علی الرغم احکام واضح شہوانی طور پر اشتعال انگیزی اختیار کرنا (جزواً یا کلاً) یہ بے حیائی ہے، نرم حدود میں دانستہ اور علی الاعلان مناسب اور ضروری احترامات کو برطرف کر دینا بے حیائی ہے۔(۴)

قرآن مجید نے رذائل اخلاق اور برائیوں کے انسداد کے لئے جو حکمت عملی وضع کی ہے، وہ بہت ہی نرالی اور اچھوتی ہے، اسلام برائی اور شر کا توڑ شر اور برائی سے نہیں بلکہ خیر اور بھلائی سے کرنا چاہتا ہے چنانچہ مکارم اخلاق کے ساتھ ساتھ ان رذائل اور اخلاق شنیعہ سے بچنے کے لئے بھی ایک اکسیر کی نشاندہی کر دی ہے، قرآن مجید کی سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر ۴۵ پڑھئے۔

اُتْلُ مَااُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃ اِنَّ الصَّلٰوۃ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔

اے پیغمبر! جو کتاب آپ کی جانب وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کیا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے، بے شک نماز بے حیائی سے اور نامعقول کاموں سے باز رکھتی ہے، اور اللہ کی یاد بہت بڑی ہے۔(ترجمہ از کشف الرحمان)

گویا کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں اور نامعقول کاموں یعنی فحشا اور منکر سے روکتی ہے، اس لئے کہ ناشائستہ امور میں مبتلا ہونے سے ایک نمازی مسلمان جھجک اور شرمندگی محسوس کرتا ہے کیوں کہ یہ قاعدے کی بات ہے کہ دربار میں باقاعدہ حاضر ہونے والے بادشاہ کی نافرمانی بہت کم کرتے ہیں۔اور

کم از کم یہ تو ظاہر ہی ہے کہ نماز پڑھنے والا جب تک نماز پڑھنے میں مشغول رہتا ہے بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے محفوظ رہتا ہے، نیز یہ بھی قاعدہ ہے کہ ہر نیکی اور برائی کا ایک اثر ہوتا ہے ہر برائی سے دوسری برائی اور بھلائی سے دوسری بھلائی اور نیکی پھوٹتی ہے، آپ ایک نیکی کا کام کیجئے، آپ کو دوسری نیکی کی توفیق ارزانی ہوگی، یا ایک برائی سے بچنے کی کوشش کیجئے، آپ کو ایک نیکی کی سعادت نصیب ہوگی، اسی طرح ایک غلطی یقیناً دوسری غلطی کا موجب بنتی ہے، بلکہ ایک چھوٹا سا نیک عمل دائمی وظیفے کے طور پر اپنایئے، وہی عمل روحانی ترقی اور اُخروی نجات کی رہنمائی کا باعث بنے گا، اور چوں کہ نماز کو اللہ تعالیٰ کی حضوری اور اس کی یاد میں بڑا دخل ہے اس لئے اس سے دوسرے اعمال خیر کی طرف رہنمائی اور میلان نصیب ہوتا ہے یہی اعمالِ خیر سیئات کو مٹانے والے ہیں۔(۵)

اس تمدنی زندگی میں ہر انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ ہر معاملہ میں واسطہ پڑتا ہے، اور ہر ہر قدم پر خواہ وہ عقائد ہوں یا عبادات، معاملات ہوں یا اخلاقیات بسا اوقات ٹکراؤ ہو جاتا ہے، اور زندگی کے ہر شعبے میں کبھی نبھانا پڑتا ہے اور کبھی تبادلہ کر کے کام نکالنا پڑتا ہے، ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر ہر موقع پر اخلاقی تعلیم اور اخلاقی برتاؤ بہت ضروری ہوتا ہے۔(٦)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے غریب اور محروم اور محنت کش ساتھیوں کا غیر معمولی خیال رکھا، مدینہ میں ایک بہت ہی معمولی شکل وصورت اور بھدے نقوش والے صحابی اپنی محنت کشی کے دوران کسی جگہ پسینے میں تر کھڑے تھے، حضور اس راہ سے گزرے، انہیں دیکھا تو پیچھے سے آ کر اپنے ہاتھ ان کی آنکھوں پر رکھ دیئے، آپ کی خشبو سے صحابی سمجھ تو گئے کہ یہ کون ہیں جنہوں نے اس خوبصورت ڈھب سے مجھے سے محبت کا اظہار کیا ہے مگر پھر جان بوجھ کر انہیں نے اپنے پسینہ سے تر جسم کو آپ کے ساتھ ملالیا اور جب اس غریب صحابی کا دل خوش ہوگیا تو آپ ﷺ نے ان سے اپنی محبت کے اظہار میں وہاں کھڑے لوگوں سے فرمایا، ایک غلام قابل فروخت ہے کون ہے جو اسے خریدے؟ غریب، محنت کش، مزدور صحابی بولے، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ بدصورت، مفلوک الحال کو کون خریدے گا؟ تب سب کے سامنے ارشاد فرمایا: ’’خدا اور اس کے رسول کے ہاں جو تمہاری قیمت ہے وہ تو کوئی بھی ادا نہیں کرسکتا‘‘۔(۷)

جن خوش بخت انسانوں کی تربیت مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی انہوں نے آگے چل کر اللہ کے عطا کردہ آخری فلسفۂ حیات اور اس فلسفۂ حیات پر مبنی نظام عدل واحسان سرور کائنات ﷺ کے سائے میں قائم کرنے کی سعادت حاصل کرنی تھی، اس فلسفۂ حیات کے نظام عدل واحسان کے تحت جو حکم پہنچایا جارہا

تھا،اسی نے اس امت کو دوسری امتوں سے ممیز کرتا تھا،تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے عدل واحسان نے ہر اس قوم کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا تھا،جس قوم کی سرزمین تک حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اصحابؓ یا ان اصحابؓ کے تربیت یافتہ خوش بخت تابعین پہنچ سکے۔

عدل واحسان کے حکم والی اس آیت کریمہ سے قبل جو آیت کریمہ ہے وہ بھی توجہ طلب ہے، اس آیت میں قیامت کے دن اعمال کی جواب دہی کے وقت گواہوں کے موجود ہونے کا ذکر ہے اور یہ گواہ ان امتوں میں سے ہی ہوں گے جنہوں نے اللہ کے احکام کی بجا آوری میں کوتاہی کی ہوگی،اور پھر قرآن کریم کے اندر جو ہمہ جہت ہدایت موجود ہے اس کا ذکر کیا ہے اس ہدایت کا ذکر یوں فرمایا ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ○ (سورۃ النحل،آیت ۸۹)

اور ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے (جس کے اندر) ہر چیز کا بیان موجود ہے،
اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

اور پھر اس ہدایت رحمت اور بشارت کی کنجی نظام عدل واحسان کو سنبھال کر استعمال کرنے کا حکم دیا ہے،اور پھر ان باتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے جن سے اجتناب ضروری ہے،اور یہ تین باتیں فحاشی،کفر اور بغاوت ہیں،ایک جانب عدل،احسان اور ایتائے ذی القربی کے تین عمل ہیں جو ملت کے لئے ہدایت رحمت و بشارت ہیں اور دوسری جانب تین عمل وہ ہیں جو امت کو پارہ پارہ کرنے والے ہیں اور وہ یہ ہیں، فحاشی،انکارِ احکام خداوندی اور تیسرے احکام ربانی و رسالت سے بغاوت ہے،ان تینوں کے نتیجے میں طوائف الملوکی،بربادی اور غلامی کی سزا ہے،نظام عدل واحسان کی اس آیت کریمہ سے بعد کی آیت بھی قابل توجہ ہے،اس میں وعدے کے ایفا کا ذکر ہے،جب مسند قضا پر کوئی مسلمان بیٹھتا ہے تو اس نے یہ وعدہ کیا ہوتا ہے کہ وہ طرف داری،رشوت،سفارش،باپ اور بھائی کی محبت سے بالاتر ہو کر عدل واحسان کے فرائض کی انجام دہی کرے گا،اور پھر فرمایا ہے کہ اس عورت کی مانند نہ ہونا جس نے نہایت محنت سے سوت کاتا اور پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا،قانون خداوندی اور دوسرے علوم کا سالہا سال کے ذریعے حاصل کرنا اور پھر جب منصب قضا عطا ہوا تو اسے رشوت،سفارش یا غلط محبت کے عوض ضائع کر دیا اور ساتھ ہی جہنم کی آگ کو سمیٹنے کا سامان مہیا کر لیا،اس طرح کے انسان کی عقل اور فہم کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔(۸)

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جو مثالی معاشرہ تشکیل کیا، اس میں تمام برائیوں سے اجتناب اور اخلاق رذیلہ سے احتراز، عبادات میں اعتدال، تقسیم دولت میں توازن، اخلاقی بنیادوں پر انسانی حقوق اور سیاسی و معاشرتی مساوات کا خصوصی اہتمام تھا، اس میں کوئی فرد مراعات یافتہ نہ تھا اور کسی طبقے کو دوسرے طبقے پر نسلی برتری حاصل نہ تھی، البتہ فضیلت کا ایک نظریاتی معیار یعنی تقویٰ ضرور موجود تھا، جو انسانی ترقی اور انفرادی حقوق میں قطعاً حائل نہ تھا۔(۹)

تقویٰ کی اصطلاحی تعریف چاہے کچھ کی جائے اور اس کے لئے ظاہرہ لباس چاہے کچھ تجویز کیا جائے، اپنی حقیقت کے اعتبار سے تقویٰ انتہاؤں کے درمیان توسط و اعتدال اور شدتوں کے مابین تناسب برتنے کا نام ہے، یہاں تک کہ اس تناسب و اعتدال سے ایمان و عمل کی کوئی شاخ خالی نہیں اور نفس کی ملکوتی صفات کا نمو کیفیات عدل وقسط سے ہی ہوتا ہے، چنانچہ علمائے اخلاق کی تصریح کے مطابق حکمت کو تکبر و جہالت اور کند ذہنی و ہوس کے مابین، شجاعت کو، بزدلی و دلیری اور پیش قدمی وخوف کے درمیان، سخاوت کو تدبیر اور بخل وفضول خرچی کے وسط میں، اور عفت کو حرص و پستی اور خیانت وضعف شہوت کے بیچ ہی تلاش کیا جاسکتا ہے، نفس کی تعدیل وتقویم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس کے بطن میں جو صلاحیتیں بالقویٰ موجود ہیں انہیں بالفعل اعتدال سے ہم آہنگ کیا جائے یعنی قوت فکریہ غصبیہ اور شہویہ کے گھوڑوں میں توازن واعتدال کی لگامیں ڈالی جائیں۔(۱۰)

جس طرح یہ کائنات (عالم تکوینی) ایک نظام عدل واعتدال اور تناسب وتوازن پر قائم ہے اسی طرح انسانی معاشرے میں اسلام کا تشریعی نظام عدل برپا کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر معاشرے کی بیماریاں اور خرابیاں ختم نہیں ہوسکتیں، بلکہ اس کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے، اور کاروبار حکومت تو عدل کے بغیر چل ہی نہیں سکتا، حضرت علیؓ کا مشہور قول ہے کہ ''کفر وشرک کے ساتھ حکومت برقرار رہنا ممکن ہے مگر عدل کے بغیر ایسا نہیں ہوسکتا''۔ بلکہ علامہ طنطاوی (جوہری) نے تو افلاطون کی ''جمہوریہ'' کے حوالے سے یہ لطیفہ بھی بیان کیا ہے کہ باہمی عدل وانصاف کے بغیر تو چوروں کا ایک جتھا بھی نہیں چل سکتا، تو اقوام وامم اور اجتماع ومعاشرہ کا کیا حال ہے؟(۱۱)

آیت کا آخری جملہ کتنا اطمینان بخش ہے کہ راہِ محبت کے راہ رو خود کو تنہا خیال نہ کریں ان کا کریم پروردگار ان کے ساتھ ہے قدم قدم پر ان کی رہنمائی فرمارہا ہے، ہر مشکل مرحلے پر ان کی دستگیری کر رہا ہے، جب بھی ان کے قدم پھسلنے لگتے ہیں اس کی توفیق آگے بڑھ کر ان کو سنبھال لیتی ہے اور گرنے نہیں

دیتی، اور جس مسافر کو محبوب حقیقی کی معیت نصیب ہو تو منزل کتنی بلند، دور اور کٹھن کیوں نہ ہو خود بخود ان کے قریب ہو جایا کرتی ہے، نیز اپنے بندوں کے بدخواہوں کو بھی خبردار کر دیا کہ وہ انہیں اکیلا اور بے یار و مددگار نہ سمجھیں، میری نصرت میری تائید ان کے شریک حال ہے تمہارا کوئی مکر، فسوں، تمہارا کوئی حیلہ اور تدبیر انہیں گزند نہیں پہنچا سکتی۔(۱۲)

اسلام صلۂ رحمی پر اس لئے بہت زیادہ زور دیتا ہے کہ خاندان کو معاشرے میں ایک بنیادی اور اہم حیثیت حاصل ہے خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی اور اہم عنصر ہے اور افراد کی شخصیت کی تعمیر و تربیت میں اس کا کردار لاثانی ہے، یہ خاندان کا ادارہ فطرت انسانی کے میلانات جذبات اور ضروریات کی تکمیل کرتا ہے خاندان کی اصلاح دراصل ایک طرف افراد کی بہتر تربیت اور دوسری طرف معاشرے کی خوشحالی اور ترقی کی ضامن ہے، صلۂ رحمی خاندان کی اصلاح کا واحد مؤثر اور قابل عمل ذریعہ ہے، اسلام صلہ رحمی کا حکم دے کر ہر خاندان کے تمام متمول افراد کو اس کا ذمہ دار قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ان افراد کی ضروریات پوری کرنے میں کوتاہی کر کے گناہ کا ارتکاب نہ کریں جو کسی وجہ سے اپنی ضروریات کی تکمیل سے قاصر ہیں، اسلام کی نگاہ میں ایک معاشرے کی اس سے بدتر غیر متوازن اور ظالمانہ اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ اس کے اندر ایک شخص یا چند محدود اشخاص تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور اس خاندان کے باقی تمام افراد بنیادی ضروریات تک کے محتاج ہوں اگر ہر خاندان کے تمام متمول افراد صلۂ رحمی کے اسلامی حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے اپنے خاندان کے ضرورت مند افراد کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر لیں تو معاشرہ بلا خوف و تردد معاشی لحاظ سے خوشحال اور معاشرتی لحاظ سے انسانی مساوات کا بہترین نمونہ ہوگا۔(۱۳)

اختتامیہ

حضرت ابن مسعودؓ کا فرمان ہے کہ سورۃ النحل کی مذکورہ بالا آیت قرآن پاک کی جامع ترین آیت ہے، کیوں کہ اس میں ہر وہ نیکی مذکور ہے جس کو اپنانا ضروری ہے اور ہر اس برائی کی نشاندہی کی گئی ہے جس سے بچنا لازم ہے، عدل، احسان اور صلہ رحمی کو اپنانا اور فحشا، منکر اور بغی سے بچنا، خود کو بالخصوص اور پورے معاشرے کو بالعموم عز و شرف کی رفعتوں تک لے جانا ہے، یہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کی فوز و فلاح اور تطہیر و تعمیر کے لئے نسخۂ اکسیر ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں تبیاناً لکلی شیء فرمایا گیا ہے، یہ آیت بطور مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ اس کی جامعیت اور ہمہ گیری اپنی مثال آپ ہے، اس پر عمل سے اعمال واخلاق اور معاملات واحساسات تناسب وتوازن کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں، اپنی پسند کے مطابق دوسروں کے لئے پسند کیا جاتا ہے، ذاتی ترجیحات، لطف، رحم، عفو اور درگزر ایسی خوبیوں کو اپنالیتی ہیں، حیوانی اور شیطانی قوتیں دب جاتی اور عقلیہ وملکیہ قوتیں ان پر غالب آجاتی ہیں، فطری خوبیاں اور نیکیاں جاگ اٹھتی ہیں اور انسانی زندگی منشائے ایزدی کے مطابق ہو جاتی ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس آیت کریمہ کو خطبہ جمعہ کا جز بنا کر اس کی جامعیت کا کماحقہ اعتراف فرمایا ہے، مولانا محمد حنیف ندویؒ کے الفاظ میں

> اسلام دین متوسط اس لئے ہے کہ اس سے قبل کے تمام ادیان میں افراط وتفریط ہے، وہ مذہب جس میں ظاہریت بھی ہو اور روحانیت بھی، اجمال اور شریعت کی تفصیل بھی، معارف الٰہی کا ذکر بھی ہو اور فلسفہ وحکمت بھی، تو وہ صرف اسلام ہے جو اعتدال وتوازن سمویا ہوا ہے، کوئی بات زائد نہیں، ہر حکم فطرت کی ترازو میں تلا ہوا اور قدرت کے پیمانے میں نپا ہوا ہے اور سورۃ النحل کی اس آیت میں اسلام کی اساسی تعلیمات کا ذکر ہے یعنی اللہ کے احکام کا خلاصہ ذکر کر دیا ہے، بلکہ اسے اگر روح اخلاق سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے۔

الغرض انصاف کے تقاضے نہ دشمنی کی بنا پر مجروح ہونے چاہئیں اور نہ محبت کی بنیاد پر متزلزل، طرز عمل کو بہر نوع معتدل رہنا چاہئے کہ افراط حقیقت کو افسانہ اور محبت کو مبالغہ بنا دیتا ہے اور تفریط سے سخاوت، بخل اور شجاعت، بزدلی بن جاتی ہے۔ احسان ایک قابل قدر جذبہ ہے، احسان یہ بھی ہے کہ ہر حال میں برداشت اور درگزر کو اپنایا جائے، اور یہ بھی کہ دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دیا جائے تاکہ فیصلوں کا عدل تفضّل کے سانچے میں ڈھل کر فدائیت تک پہنچ جائے، خود پر دوسروں کو ترجیح دی جائے، دوسروں کے لئے زندہ رہنا اور اپنی مسرتوں کو بھی دوسروں کے لئے وقف کر دینا، انسانی عظمت کا ایک بلند درجہ ہے، احسان یہ بھی ہے کہ فرائض کے ساتھ نوافل کا اہتمام کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جائے، احسان سے عبادت میں سرور وحضور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے یوں عبادت، دیدار الٰہی کا ذریعہ بن جاتی ہے، وساوس کی دھند چھٹتی اور حق کے انوار دل کے گوشے گوشے کو منور کر دیتے ہیں، یہ نکتہ قابل غور ہے کہ احسان کا ذکر کر کے حسن سلوک سے ملنے والی سعادتوں کے حصول پر آمادہ کرنے کے بعد، عزیز واقربا

سے بہترین طرز عمل کی تلقین، صلۂ رحمی کی اہمیت کو واضح کر رہی ہے کہ اقارب، لاکھ عقارب بن جائیں، دین کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ساتھ بہترین برتاؤ میں فرق نہ آئے، ساتھ ہی اس آیت میں بے حیائی سے روکا گیا ہے، اور آج اس آیت کی اہمیت اس قدر واضح ہے کہ تہذیب وثقافت اور آرٹ کے نام پر ہر نوع کی بے حیائی عام ہوگئی ہے، مخلوط محفلوں اور فیشن کی خرافات سے بچنے والوں کو جاہل سمجھا جاتا ہے، اسی طرح ہر وہ کام جسے اللہ تعالیٰ اور نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا، اسے اپنے لئے پسند کر لینا، دین حق سے بغاوت کے مترادف ہے، یہ بغاوت، نافرانی کو ظلم وعدوان کی ان انتہاؤں تک لے جاتی ہے جہاں انسان حیوان سے بدتر ہو کر رہ جاتا ہے، اس کا چہرہ روشن ہوتا ہے، مگر اندرون چنگیز سے تاریک تر، لباس پر سلوٹ سے پاک مگر دل شکن در شکن، آنکھیں بے باک اور دل شرابی ہو جاتے ہیں، ذوقِ نظر، عیش شعور گناہ تک کے فاصلوں کو سمیٹ کر رکھ دیتا ہے، حدیث پاک میں ہے کہ قطع رحمی اور بغی دونوں جرم اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناپسند ہیں کہ اللہ تعالیٰ ڈھیل نہیں دیتے بلکہ سزا کا کوئی کوڑا فوری طور پر حرکت میں آجاتا ہے، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی

بار ہا دیکھا ہے اس دار مکافات میں میر
سنگ اٹھانے بھی نہ پائے تھے کہ پتھر آیا (مؤلف)

حوالہ جات

گیارہویں سیرت کانفرنس ۱۲، ۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ/ ۵، ۶ / اکتوبر ۱۹۸۷ء:

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصلاح معاشرہ/ خلیل احمد علیم/ ص ۱۸ تا ۲۵
۲۔ اصلاح معاشرہ اور معیشت، سیرت طیبہ کی روشنی میں/ ڈاکٹر عبدالرشید/ ص ۱۲ تا ۱۴
۳۔ حضور اکرم ﷺ نے معاشرے کی کیسے اصلاح فرمائی/ خادم حسین شاہ نجم/ ص ۳۲
۴۔ حضور ﷺ اور اصلاح معاشرہ/ قاضی چن پیر الہاشمی القادری/ ص ۳۹ تا ۴۰
۵۔ اصلاح معاشرہ سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے/ سید حسین علی ادیب/ ص ۶۲
۶۔ اصلاح معاشرہ سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں (اصول واقدار کے حوالے سے)/ فضل القدیر ندوی/ ص ۸۲
۷۔ ایضاً/ ص ۸۶
۸۔ رسول اللہ ﷺ کی حکمت اصلاح معاشرہ/ پروفیسر عبدالجبار شیخ/ ص ۹۷

۹۔ اصلاح ادب معاشرت قرآن وحدیث کی روشنی میں/ پروفیسر سید ذکیا ہاشمی/ص ۱۶۵
۱۰۔ ایضاً/ص ۱۷۰
۱۱۔ سیرت نبوی کی روشنی میں اصلاح معاشرہ نظام عدل کے بغیر ممکن نہیں/ سید اصغر علی/ص ۱۷۶
۱۲۔ ایضاً/ص ۱۷۷
۱۳۔ حضور ﷺ اور اصلاح معاشرہ/ پروفیسر احسان الدین/ص ۱۹۳

بارہویں سیرت کانفرنس ۱۲، ۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ/ ۲۵، ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۸ء:

۱۔ اسلام کا نظام عدل واحسان اور برائیوں کا انسداد/ محمد مسعود خان/ص ۲۸
۲۔ ایضاً/ص ۲۹
۳۔ ایضاً/ص ۱، ۲
۴۔ ایضاً/ ڈاکٹر غلام سرور خان نیازی/ص ۴۶
۵۔ مکارم اخلاق کی تکمیل اور رذائل اخلاق سے اجتناب کا قرآنی فلسفہ/ پروفیسر حافظ محمد طاہر/ص ۵۸
۶۔ اسلام کا نظام اور اصلاح معاشرہ/ پروفیسر سعید الرحمٰن/ص ۱۲۶
۷۔ زیردستوں کے ساتھ عدل واحسان اور سیرت طیبہ/ پروفیسر سمیع اللہ قریشی/ص ۱۲۹
۸۔ حضور علیہ السلام کا نظام عدل واحسان/ بریگیڈیر گلزار احمد/ص ۱۹۹، ۲۰۰
۹۔ نبوی ﷺ نظام عدل/ علامہ کفایت حسین نقوی/ص ۲۱۵
۱۰۔ اسلام کا نظام عدل واحسان/ ڈاکٹر نثار احمد/ص ۲۴۵
۱۱۔ اسلام کا نظام عدل واحسان/ پروفیسر حافظ احمد یار خاں/ص ۲۸۰
۱۲۔ معاشرتی زندگی میں احسان کی فضیلت واہمیت/ مولانا محمد اطہر نعیمی/ص ۳۱۴
۱۳۔ اسلام کا نظام امر بالمعروف ونہی عن المنکر / قاضی عبدالغفار خاں/ص ۳۲۶

قرآن حکیم کی آسان اور سہل انداز میں لکھی گئی مقبول ومعروف لغت

معجم القرآن

سید فضل الرحمٰن

دیدہ زیب طباعت کے ساتھ جیبی ایڈیشن شائع ہوگیا ہے

صفحات: ۳۶۰ قیمت: ۹۶/روپے

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز